مکاتیب

(۱)

برادرم جناب مولانا حافظ محمد عمار خان ناصر صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والد ماجد مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ کے بارے میں ''تکفیر شیعہ'' کے حوالے سے کافی گرما گرم بحث ومباحثہ ماہنامہ ''الشریعہ'' کے گزشتہ کئی ماہ کے شماروں میں نظر سے گزرا۔ مناسب معلوم ہوا کہ اس سلسلے میں ہم بھی کچھ گزارشات قارئین ''الشریعہ'' کی خدمت میں پیش کر دیں۔

تکفیر شیعہ کے حوالے سے والد ماجدؒ کا اصولی موقف وہی ہے جس کے بارے میں آپ نے سید مشتاق علی شاہ صاحب کے مضمون (جنوری ۲۰۱۰ء) میں حاشیہ لگا کر صحیح ترجمانی کر دی ہے۔ اس ضمن میں جن احباب نے آپ کی وضاحت سے اختلاف کیا ہے، انہیں مکمل معلومات حاصل نہیں ہیں۔ ذیل میں صرف تین باتیں پیش خدمت ہیں:

۱۔ جب ہزار علماء کا فتویٰ جاری ہوا تھا جس میں اثنا عشریہ کو علی الاطلاق کافر قرار دیا گیا تھا تو اس فتوے سے جن محققین علماء کرام اور مفتیان عظام نے اختلاف کیا تھا، ان میں والد ماجدؒ بھی تھے اور اس فتوے پر انہوں نے دستخط نہیں فرمائے تھے۔

۲۔ امام اہل السنۃ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ نے اس فتوے پر نہ صرف دستخط فرمائے تھے بلکہ ''ارشاد الشیعہ'' نامی مستقل کتاب بھی تصنیف فرمائی تھی اور اس کتاب کو والد ماجدؒ نے ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم سے طبع فرمایا تھا۔ ایک موقع پر امام اہل سنتؒ نے مفسر قرآنؒ کو ایک طویل خط بھی لکھا جو احقر کے پاس محفوظ ہے۔ اس خط میں انہوں نے اپنے موقف کے ساتھ اس مذکورہ فتوے میں انہیں شامل ہونے کی بھرپور دعوت دی، لیکن انہوں نے جواباً فرمایا کہ ''مجھے اس پر شرح صدر نہیں ہے''۔

۳۔ مفسر قرآنؒ کی حیات طیبہ میں ایک پمفلٹ شائع ہوا تھا جس کا عنوان تھا: ''رافضی (شیعہ) کیا ہیں؟'' اس میں مرتب نے والد ماجدؒ کے افادات کے عنوان سے ان کے دروس، خطبات اور تحریرات سے کچھ عبارات نقل کر کے ان کے موقف کی بظاہر ترجمانی کی بلکہ بعض مقامات پر فہمائش کی کوشش بھی کی تھی، چنانچہ والد ماجدؒ نے تحریری طور پر اس پمفلٹ سے بیزاری کا اظہار فرما دیا تھا اور احقر کے ذریعے ایک تحریر لکھوائی تھی جس پر انہوں نے دستخط ثبت فرمائے تھے۔ وہ تحریر احقر کے پاس محفوظ ہے۔ چنانچہ مرتب نے اس پمفلٹ کو اسی وقت مکمل ضائع کرا دیا تھا۔ اس لیے جن احباب نے اس پمفلٹ کا سہارا لے کر والد ماجدؒ کے موقف کی ترجمانی کی کوشش کی ہے، وہ نہ صرف غلط ہے بلکہ اگر دانستہ طور پر ایسا کیا ہے تو یہ بددیانتی بھی ہے۔

میرا مقصد اس بحث کو دلائل کے ساتھ طول دینا نہیں ہے، بلکہ جو احباب مفسر قرآن کے موقف سے ناواقف ہیں، صرف ان

کے علم میں لانا ہے، چونکہ اس باب میں اکابر علماے دیو بند کے دونوں طرف فتاویٰ موجود ہیں اور ہم دونوں پہلوؤں کا دل وجان سے احترام کرتے ہیں اور ایک پہلو کو راجح اور دوسرے کو مرجوح گردانتے ہیں۔ خود ہمارے شیخین کریمینؒ نے ہر دو فتاویٰ پر الگ الگ عمل کرتے ہوئے زندگی بھر ایک دوسرے کو برداشت کیا اور احترام کی نظر سے دیکھا ہے جو ہمارے لیے ایک مستقل راہنما اصول ہے۔

آخر میں عصر حاضر کے نامور فقیہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہ کا ایک فتویٰ جو دار العلوم کراچی کے دار الافتاء سے جاری ہوا تھا، اس کی نقل حاضر خدمت ہے جو قارئین کے لیے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اس فتوے کی اشاعت سے قارئین کے سامنے صرف یہ بات لانا مقصود ہے کہ موجودہ دور کے محقق مفتیان مسلک دیو بند بھی مفسر قرآنؒ جیسا موقف رکھتے ہیں اور ایسے موقف والوں کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد ہے۔ اللہ رب العزت سب کا حامی و ناصر ہو۔

احقر محمد فیاض خان سواتی

مہتمم جامعہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ

تکفیر شیعہ کے بارے میں مولانا محمد تقی عثمانی کا فتویٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمی و مکرمی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جو شیعہ کفریہ عقائد رکھتے ہوں، مثلاً قرآن کریم میں تحریف کے قائل ہوں یا یہ عقیدہ رکھتے ہوں کہ حضرت جبریل علیہ السلام سے وحی لانے میں غلطی ہوئی یا حضرت عائشہؓ پر تہمت لگاتے ہوں، ان کے کفر میں کوئی شبہ نہیں لیکن یہ بات کہ تمام شیعہ یہ یا اس قسم کے کافرانہ عقائد رکھتے ہوں، تحقیق سے ثابت نہیں ہوئی، کیوں کہ بہت سے شیعہ صراحتاً ان عقائد کا انکار کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ الکافی یا اصول الکافی وغیرہ میں جتنی باتیں لکھی ہیں، ہم ان سب کو درست نہیں سمجھتے۔ دوسری طرف کسی کو کافر قرار دینا چونکہ نہایت سنگین معاملہ ہے، اس میں احتیاط ضروری ہے۔ اگر بالفرض کوئی تقیہ بھی کرے تو وہ اپنے باطنی عقائد کی وجہ سے عند اللہ کافر ہوگا، لیکن فتویٰ اس کے ظاہری اقوال پر ہی دیا جائے گا۔ اسی لیے چودہ سو سال میں علمائے اہل سنت کی اکثریت تمام شیعوں کو علی الاطلاق کافر کہنے کے بجائے یہ کہتی آئی ہے کہ جو شیعہ ایسے کافرانہ عقائد رکھے، وہ کافر ہے اور یہی طریقہ بیشتر اکابر علماء دیو بند کا رہا ہے اور چونکہ جمہور علماء کے اس طریقے میں کوئی تبدیلی لانے کے لیے کافی دلائل محقق نہیں ہوئے، اس لیے دار العلوم کراچی حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کے وقت سے اکابر کے اسی طریقے کے مطابق فتویٰ دیتا آیا ہے کہ جو شیعہ ان کافرانہ عقائد کا قائل ہو، وہ کافر ہے مگر علی الاطلاق ہر شیعہ کو، خواہ اس کے عقائد کیسے بھی ہوں، کافر قرار دینے سے جمہور علماء امت کے مسلک کے مطابق احتیاط کی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شیعوں کی گمراہی میں کوئی شبہ ہے۔ جن شیعوں کو کافر قرار دینے سے احتیاط کی گئی ہے، بلاشبہ وہ بھی سخت ضلالت اور گمراہی میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان گمراہیوں سے ہر مسلمان کی حفاظت فرمائیں۔ آمین۔

احقر محمد تقی عثمانی

دارالافتاء، دارالعلوم کراچی ۱۴

۱۴ ۔ ۱ ۔ ۱۴۱۲ھ

(۲)

مولانا حافظ محمد عمار خان ناصر صاحب دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بندہ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کا ریسرچ سکالر ہے۔ چند ہی دن ہوئے کہ آپ کے موقر جریدہ ''الشریعہ'' کے مطالعہ کا موقع ملا۔ خاص کر مکاتیب کے زیر عنوان دل چسپ علمی مباحث پڑھ کر فرط نشاط اپنے رگ و پے میں محسوس ہوئی۔ اتحاد بین المسلمین کے روح رواں ڈاکٹر محمد شہباز منج نے اپنے مکتوب گرامی کے ذریعے عصری تقاضوں کے پیش نظر اتحاد کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے مذہبی انتہا پسندی کی احسن انداز میں مذمت بیان کی ہے، البتہ چند ایک مکاتیب میں دینی شدت پسندی کا پہلو نمایاں دکھائی دیا، مثلاً محترم محمد یونس قاسمی صاحب کا مکتوب جس میں انھوں نے شیعوں کے غیر محقق نظریہ کو جزوِ عقیدہ واساس مذہب قرار دیا۔ بندہ حقیر تقابل ادیان سے خصوصی دلچسپی رکھتا ہے اور خاص طور پر تمام اسلامی مکاتب فکر کے بنیادی معتقدات ونظریات سے بھی قدرے آشنا ہے۔ یہاں اہل تشیع کے نزدیک نظریہ تحریف قرآن کے حوالے سے چند معروضات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ قاسمی صاحب سے توقع ہے کہ ان پر ضرور فراخ دلی سے غور فرمائیں گے۔

یہ کہنا کہ ''شیعہ اثنا عشریہ کا عقیدہ یہ ہے کہ موجودہ قرآن محرف ہے'' اصل حقیقت کے سراسر منافی ہے، کیوں کہ زمینی حقائق اس کے خلاف ہیں۔ قرآن مجید کی عظمت، منزل من اللہ ہونے اور عدم تحریف پر تمام اسلامی مکاتب فکر کا اتفاق ہے۔ البتہ اسلامی مکاتبِ فکر کی کتب میں ایسی روایات پائی جاتی ہیں جو موہم تحریف ہیں، مگر ہر مکتبِ فکر ایسی روایات کو مخالف قرآن سمجھ کر یکسر مسترد کرتا ہے، لہٰذا کسی مکتب فکر کے ہاں اس قرآن مجید کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن نظر نہیں آتا اور نہ پریس سے چھپ کر منظر عام پر آیا ہے۔ اگر چند ایک افراد قائل بھی ہوں تو پورے مکتب فکر پر اس نظریہ کو تھوپا نہیں جا سکتا اور نہ ہی اس کی وجہ سے اس مکتب فکر کو مطعون کیا جا سکتا ہے۔ تمام مکاتبِ فکر کی تفاسیر کو دیکھا جائے کہ وہ اس قرآن مجید کے علاوہ کسی دوسرے قرآن کی تفسیر ہیں تو جواب نفی میں ملے گا۔ ماننا پڑے گا کہ ہر مکتبِ فکر یقیناً اسی قرآن مجید پر ایمان رکھتا ہے اور اسے حرزِ جان سمجھتا ہے۔ اسلام ظواہر پر حکم لگاتا ہے۔ اگر روایات کے بل بوتے پر کسی کو قائل تحریف ٹھہرایا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں میں سے کوئی بھی الزام سے نہ بچ پائے گا۔

بدقسمتی سے امت اسلامیہ کے بعض نافہم افراد محض فرقہ وارانہ تعصب کے باعث اس پروپیگنڈے کو ہوا دے رہے ہیں کہ شیعہ قرآن مجید کی تحریف کے قائل ہیں۔ ایسے نادان دوست یہ نہیں سوچتے کہ اس الزام کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ کتاب اللہ ہی مشکوک اور متنازع حیثیت اختیار کر لے گی۔ اس طرح اغیار کو موقع مل جاتا ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی مآخذ کے بارے میں کہہ سکیں کہ خود مسلمان ہی اس قرآن پر متفق نہیں ہیں۔ جب مستشرقین کی جانب سے یہ اعتراض اٹھا کہ مسلمانوں کا ایک فرقہ (شیعہ) تحریفِ قرآن کا قائل ہے تو اس وقت کے معروف عالم ومحقق مولانا رحمت اللہ کیرانوی عثمانیؒ بانی مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ نے اس کا بھرپور دفاع کیا کہ مسلمانوں میں سے کوئی بھی فرقہ تحریف قرآن کا قائل نہیں ہے، یعنی شیعہ تحریفِ قرآن کے ہرگز قائل نہیں ہیں۔ اس ضمن میں انہوں نے شیعوں کے مشہور محققین علما کے نظریات لکھے۔ اس سلسلہ میں ان کی معرکۃ

الآراء کتاب ''اظہار الحق''، کا، جو مسلمانوں کی جانب سے ردعیسائیت اور ابطال تثلیث میں لکھی جانے والی کتب میں ایک امتیازی حیثیت کی حامل ہے، مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ حضرت مولانا مفتی شیخ اکبر سہار نپوری استاذ الحدیث دار العلوم کراچی کے ترجمہ اور حضرت مولانا جسٹس (ر) محمد تقی عثمانی مدظلہ کے حواشی وشرح اور تحقیق کے ساتھ ''اظہار الحق'' کا اردو ترجمہ بنام ''بائبل سے قرآن تک'' مکتبہ دار العلوم کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔ اصل کتاب کی جلد دوم صفحہ ۹۰، ۹۱، ''الفصل الرابع فی دفع شبہات القسّیسین الواردۃ علی الاحادیث النبویۃ'' کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ یہی بات دیگر اکابر علما نے کہی ہے جن میں سابق شیخ التفسیر دار العلوم دیوبند وشیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ، حضرت مولانا عبد الحق حقانی دہلوی صاحب تفسیر حقانی، حضرت مولانا مظہر الدین بلگرامی فاضل مظاہر العلوم سہار نپور و استاد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، حضرت مولانا حکیم نجم الغنی خان رام پوری، علامہ شیخ محمد مدنی الازہر یونیورسٹی، علامہ شیخ محمد غزالی، حضرت علامہ خیر الدین ابوالبرکات نعمان آفندی ابن سید محمود آلوسیؒ، استاد محمد سالم النبہانی اخوان المسلمین، علامہ محمد شبلی نعمانی، مولانا وحید الدین خان، ڈاکٹر حامد حفنی داؤد استاد ادب عربی قاہرہ، حضرت مولانا شیخ اکبر سہار نپوری استاذ حدیث درالعلوم کراچی، خواجہ حسن نظامی، پروفیسر محمد اسلم جیراج پوری اور ڈاکٹر اسرار احمد وغیرہ شامل ہیں۔

رہا قاسمی صاحب کا یہ کہنا کہ ''مختلف زمانوں میں شیعہ کے اکابر واعاظم علماء ومجتہدین نے قرآن مجید کے محرف ہونے کے موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے اہم کتاب شیعوں کے ایک بڑے مجتہد علامہ حسین محمد تقی نوری طبرسی کی کتاب ہے جس کا نام ''فصل الخطاب فی اثبات تحریفِ کتابِ ربِ الارباب'' ہے'' تو اس کے متعلق گزارش یہ ہے کہ اس کتاب کے علاوہ کوئی اور کتاب شیعوں کی طرف سے منظر عام پر نہیں آئی جس میں تحریف قرآن کا اثبات کیا گیا ہو۔ قاسمی صاحب کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ ''فصل الخطاب'' کے رد میں اس وقت کے شیعہ علماء نے کئی کتابیں تحریر کیں جن میں ایک کتاب ''کشف الارتیاب فی عدم تحریف الکتاب'' مولفہ شیخ محمود بن ابوالقاسم طہرانی'' ہے اور اس وقت سے آج تک شیعہ علماء نے اس کتاب کو رد کیا اور اسے کتب ضالہ میں شمار کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک یہ کتاب شیعوں کے مراکز سے شائع نہیں ہوئی۔ مثال کے طور پر شیعوں کے آیۃ اللہ العظمیٰ محمد آصف الحسنی ایک بحث کے ضمن میں نوری کے کلام پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''لا یجوز لطلاب الحق وارباب الاستنباط ان یغتروا بتوثیقاتہ وان یعتمدوا علی آرائہ فان ذلک یبعدھم عن الحق بعداً'' (بحوث فی علم الرجال ص ۳۷، مطبوعہ ایران)

قاسمی صاحب نے شیعوں کے سید نعمت اللہ جزائری کی عبارت نقل کی ہے جو یہ ہے: ''والظاھر ان ھذا القول صدر منھم لاجل مصالح کثیرۃ ..... کیف وھولآء رووا فی مولفاتھم اخباراً کثیرۃ ....'' (الانوار النعمانیہ) بہتر ہوتا کہ قاسمی صاحب فراخ دلی سے کتاب کے اسی صفحہ پر شیعوں کے علامہ محمد علی القاضی طباطبائی کا مبسوط حاشیہ بھی ملاحظہ کر لیتے جو صفحہ ۳۵۷ سے ۳۶۴ تک پھیلا ہوا ہے اور ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے:

''ھذا الکلام من السید المصنف عجیب ومبنی علی مسلک اصحاب الحدیث وجری علی طریقہ الاخباریین التی لایعبا بھا والعجب من قولہ : ان اصحابنا قد اطبقوا علی صحۃ تلک الروایات والتصدیق بھا الخ۔ لیت شعری متی اطبق اصحابنا علی صحۃ تلک الروایات واین صدقوھا ولا ادری من ھم المراد من قولہ (اصحابنا)

هل المراد منهم جمع من اهل الجمود من الاخباريين او المراد منهم اصحابنا اهل النظر و التحقيق و كبراء الدين من الفقهاء و المجتهدين؟ و حاشاهم ان ما قولوا بمقالة .... ما اجاد فی تالیفه و لا وافق الصواب فی جمعه ..... الخ

قاسمی صاحب نے شیعوں کی تفسیر صافی کی پہلی جلد مقدمہ نمبر ۶ کی عبارت نقل کی ہے جس میں شیعوں کے محقق کلینی کے قائل تحریف ہونے کی دلیل دی گئی ہے، مگر درمیان سے عبارت حذف کر دی جو یہ ہے: " لانہ روی روایات فی ھذا المعنی فی کتابہ و لم یتعرض لقدح فیھا مع انہ ذکر فی اول الکتاب انہ یثق بما رواہ فیہ۔" (تفسیر صافی، المقدمہ السادسۃ ص ۱۳) اس عبارت میں کلینی کے معتقد تحریف ہونے کی یہ علت بیان کی گئی ہے کہ اس نے تحریف والی روایات پر تنقید نہیں کی اور اول کتاب میں اپنی روایات کی توثیق کی ہے۔ تاہم ہر قسم کے تعصب سے بالاتر ہو کر شیعوں کی کتاب ''اصول کافی'' کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آئے گی کہ کلینی نے کسی روایت کی نہ توثیق کی ہے اور نہ ہی تنقید۔ وہ صرف ناقل ہے بلکہ کلینی نے مقدمہ میں یہ بات کہی ہے کہ ''جو روایت موافق قرآن ہو، اسے لے لو اور جو مخالف قرآن ہو، اسے رد کر دو'' اور اسی کے متصل لکھا ہے کہ "خذوا بالمجمع علیہ فان المجمع علیہ لاریب فیہ" (اصول کافی ص ۶، طبع لکھنو)

بنا بریں کلینی نے صرف روایت نقل کی ہے، کسی روایت پر حکم نہیں لگایا۔ چونکہ یہ مسلمہ اصول ہے کہ "مجرد نقل الحدیث لا ینم عن عقیدۃ ناقلہ ما لم یتعھد صحۃ ما یرویہ و التزامہ بہ" یعنی صرف حدیث کا نقل کرنا ناقل کے عقیدے کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ جب تک وہ مروی عنہ کی صحت اور اس کے التزام کا عہد نہ کرے، اس وقت تک اس پر کسی طرح کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ متکلمین کا اصول ہے کہ "ان التزام الکفر کفر لا لزومہ" التزام کفر کفر ہے، لزوم کفر کفر نہیں ہے۔ (النبر اس شرح شرح عقائد للعلامہ عبد العزیز پرہاروی، ص ۱۹۹) جب کہ شیعوں کی تفسیر صافی کی محولہ بالا عبارت کے ذیل میں یہ صراحت موجود ہے کہ "و الصحیح من مذھب اصحابنا خلافہ" اور صحیح یہ ہے کہ ہمارے فقہا کا مذہب اس کے خلاف ہے یعنی وہ عدم تحریف کے قائل ہیں۔ نیز محولہ بالا عبارت کے ماقبل و مابعد عدم تحریف پر دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ شیعوں کی کتب کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے چند اخباریوں کے سوا باقی سب عدم تحریف کے قائل ہیں۔ لہٰذا بقول ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ کے ہمیں شیعوں کے اس موقف کو قبول کر لینا چاہیے۔

رہا یہ کہنا کہ ''اہل سنت کی عقائد کی کتابوں میں شیعوں کو اسلامی فرقہ شمار نہیں کیا گیا۔ اگر کیا گیا ہے کہ تو ہم اسے محدث عظیم حضرت انور شاہ کشمیری کی کتاب فیض الباری میں منقول عبارت من لم یکفرھم لم یدر عقائدھم پر محمول کرتے ہیں''، تو اس سلسلے میں مزید کتب کی طرف توجہ دلانے کی ضرورت نہیں ہے، صرف کتاب ''المصباح فی رسم المفتی ومناہج الافتاء بشرح اصول الافتاء لسماحۃ الشیخ المفتی محمد تقی عثمانی'' تالیف مفتی محمد کمال الدین احمد راشدی کی یہ عبارت ملاحظہ فرمالی جائے:

"الشیعۃ: فرقۃ من الفرق الاسلامیۃ سمیت بذلک لاعلانھا مشایعۃ علی و اولادہ رضی اللہ عنھم بالذھاب الی انھم ھم الاحق بالخلافۃ بعد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم" (ص ۱۵۴، طبع ماریہ اکیڈمی، کراچی)

اس پیرا گراف میں خاتم المحدثین حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی فیض الباری کے حوالے سے قاسمی صاحب نے ادھوری عبارت نقل کی ہے۔فیض الباری کی اصل عبارت یوں ہے:" اختلفوا فی اکفار الروافض ولم یکفرھم ابن عابدین واکفرھم الشاہ عبدالعزیز وقال ان من لم یکفرھم لم یدر عقائدھم" یعنی روافض کی تکفیر میں اختلاف کیا گیا ہے۔علامہ ابن عابدین شامیؒ ان کی تکفیر نہیں کرتے اور شاہ عبدالعزیزؒ نے ان کی تکفیر کی ہے اور کہا ہے کہ جو ان کی تکفیر نہیں کرتا، وہ ان کے عقائد سے آگاہ نہیں ہے۔ (فیض الباری ۱/۱۲۰،طبع قاہرہ) فیض الباری کے فاضل جامع ومحشی حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ اسی صفحہ کے حاشیے پر اپنے استاد محترم حضرت انور شاہ کشمیری کے درس کا اقتباس نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:قال (الاستاذ): والشاہ عبدالعزیز معاصر لابن عابدین الشامی ولکنہ افقہ منہ عندی۔شاہ عبدالعزیز ابن عابدین شامی کے ہم عصر تھے،لیکن میرے نزدیک وہ شاہ عبدالعزیز سے بہت بڑے فقیہ تھے۔کیا افقہ الفقہاء علامہ شامی اور ان کے علاوہ دیگر محققین علماء نے شیعوں کی عقائد پر مشتمل کتب کا مطالعہ نہیں کیا ہوگا؟

اسلام دشمن طاقتیں اسلام اور مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔ وہ چاہتی ہیں کہ مسلمانوں میں اختلافات کا بیج بویا جائے،ان کو آپس میں لڑایا جائے اور ان کی آئینی واساسی کتاب قرآن مجید کو متنازع بنا کر اسلامی عقائد واعمال کی پوری عمارت کو زمین بوس کر دیا جائے،لہٰذا ہم قرآن کریم کی عظمت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اپنے اختلافات فراموش کر دیں اور بے بنیاد روایات ونظریات کی بنیاد پر ایک دوسرے کو مطعون کرنے سے اجتناب کیا جائے کہ اسی میں اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی اور بہتری ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو باہمی الفت ومحبت کی فضا قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور دشمنان اسلام یہود ونصاریٰ کے گھناؤنے عزائم کو خاک میں ملا دے اور ہم سب کو صراط مستقیم پر گامزن رکھے۔آمین یارب العالمین۔

محمد عامر شہباز

ڈی اے وی، کالج روڈ، راولپنڈی

(۳)

گرامی قدر جناب برادرم مولانا عمار خان ناصر صاحب مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی بخیر

آنجناب کا مؤقر جریدہ ماہنامہ ''الشریعۃ'' انتہائی اہم خصوصیات کا حامل ایک خوبصورت علمی جریدہ ہے۔جولائی تا اکتوبر ۲۰۰۹ء کی مشترکہ خصوصی اشاعت پر، جو امام اہل سنت حضرت مولانا شیخ محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات پر مشتمل ہے، ''الشریعہ اکیڈمی'' اور ماہنامہ ''الشریعۃ'' کے تمام احباب مبارک باد کے مستحق ہیں۔اللہ رب العزت میرے مخدوم ومشفق حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب دامت برکاتہم اور آپ کو بمع احباب سلامت رکھے اور یوں ہی ہم سب سے دین کی خدمت لیتا رہے۔

اس خصوصی شمارہ کے صفحہ نمبر ۳۸۰ پر آپ کے مضمون میں ایک پیرا پڑھ کر دکھ ہوا کہ آپ نے اتنے بڑے کام کا سہرا اور کریڈٹ کالعدم تنظیم سپاہ صحابہؓ کے کھاتے میں ڈال دیا ہے جبکہ حقیقت اس کے خلاف ہے۔شیعہ اثنا عشریہ کے متعلق علماء

کرام، محققین کا فتویٰ اور شیعہ کے خلاف تکفیری مہم سپاہ صحابہؓ نے نہیں چلائی۔ سپاہ صحابہؓ کی پیدائش تو ۱۴۰۵ھ کی ہے جبکہ شیعہ کے خلاف تکفیری مہم کم از کم اس صدی میں شروع نہیں ہوئی۔ ویسے تو اس مرتد گروہ کے متعلق کفر کا فتویٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال زریں اور تابعین، تبع تابعین، مجتہدین، فقہائے کرام اور اولیاء کرام کی کتب میں موجود ہے مگر اس طرح متفقہ فیصلہ یا اس فیصلہ کے متعلق باقاعدہ تحریکی صورت اور مہم جوئی کا شرف متقدمین دارالعلوم دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃ کو حاصل ہے جس پر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، خاتم المحدثین حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ، مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا مسعود احمدؒ، حضرت مولانا مفتی مہدی حسن شاہجہان پوریؒ جیسے اکابرین، محققین، مفتیان کے دستخط موجود ہیں۔ ان متبرک اکابرین اور دارالعلوم دیوبند کی ان برگزیدہ شخصیات سے یہ شرف فضیلت چھین کر شاگردی میں ان حضرات کے پوتوں پڑپوتوں کے حوالے کر دینا، عقل وانصاف اس بات کو جائز قرار نہیں دیتا۔

سپاہ صحابہؓ کی قیادت وکارکنان نے شیعہ کی تکفیری مہم کا آغاز نہیں کیا بلکہ اس تکفیری مہم کے نتیجہ میں آنے والے علمائے کرام، محققین اہل سنت کے اس متفقہ فیصلہ کو فروغ بخشنے، اسے عام کرنے اور شیعہ کے کفریات سے لوگوں کو آگاہ کرنے کی محنت کی ہے اور اخلاص وللّٰہیت سے شروع کی گئی اس محنت میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔

امید کرتا ہوں کہ آپ ریکارڈ کی درستگی کے لیے میری اس گزارش پر غور فرمائیں گے۔

محمد یونس قاسمی
ایڈیٹر: نظام خلافت راشدہ فیصل آباد
myqasmi786@yahoo.com

(۴)

محترمی ومکرمی جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب حفظکم اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مارچ کے الشریعہ پر کہیں نظر ڈالنے کا موقع مل گیا۔ آپ کی ادارتی تحریر نے اپنی طرف کھینچ لیا اور جلدی میں خاصا حصہ دیکھ لیا۔ آپ کا اخلاص اور دردمندی متاثر کیے بغیر نہ رہ سکا۔ فرقہ واریت اور کل حزب بما لدیھم فرحون اور اعجاب کل ذی رای برایہ کے اس کشیدہ ماحول میں ایسی کاوشیں ہوا کا تازہ جھونکا محسوس ہوتی ہیں۔ مذہبی حلقوں کو راہ اعتدال اور علم وتحقیق کی شاہراہ پر لانے اور ان کے اختلافات کی خلیج کو پاٹنے کی ضرورت کا شدت سے احساس ہوتا ہے۔

آپ کی تحریر اس وقت سامنے نہیں، ایک عمومی تاثر ذہن میں ہے۔ باقی فرقوں سے قطع نظر، فی الحال جماعت اسلامی کے حوالے سے آنجناب کے نقطہ نظر کے سلسلے میں گزارشات کی جسارت کر رہا ہوں۔ جماعت سے اختلاف کی بنیاد کو جناب نے (یا ان مولانا صاحب نے) غالباً دستور جماعت کی ایک شق تک سمیٹ لیا۔ یہ ایک مستحسن اقدام ہے۔ اگر یہی بات ہے تو راقم کے ناقص فہم کے مطابق اس کا بھی حل ڈھونڈا جا سکتا ہے اور ''معیار حق'' کے مسئلہ کو کتاب وسنت اور ائمہ سلف کی آرا کی روشنی میں طے کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں جماعت اسلامی کے اہل علم کی تحریروں کو بھی سامنے رکھا جا سکتا ہے۔ سردست میں آنجناب کی خدمت میں ایک وضاحتی تحریر کی کاپی ارسال کر رہا ہوں جو مولانا مودودیؒ کے قریبی رفیق جسٹس ملک غلام علی

مرحوم کے قلم سے ہے جس میں صحابہ کرامؓ کے معیار حق ہونے نہ ہونے کے حوالے سے علمی وتحقیقی انداز سے بحث کی گئی ہے۔آپ اپنے معروف وسیع المشر بی اور وسعت نظری والے انداز سے اس مسئلہ پر بھی بے لاگ انداز سے قلم اٹھائیں اور نتائج تحقیق سے ہم جیسے عامی قارئین الشریعہ کو مستفیض فرمائیں تو یہ چیز افادیت سے خالی نہ ہوگی۔

ایک عرصہ ہوا بندہ نے ایک اور تحریر بھی کہیں دیکھی تھی جس میں دستور جماعت اسلامی کی اس شق کے حوالہ سے مولانا ابوالکلام آزادؒ کی رائے نقل کی گئی تھی۔کسی صاحب نے ان سے اس حوالے سے استفسار کیا تھا تو مولانا آزادؒ نے جواب میں کہا تھا کہ مجھے اس میں کوئی چیز از روئے شریعت قابل اعتراض نظر نہیں آتی۔اس کے علاوہ حلقہ دیوبند کے ممتاز محقق عالم اور دارالعلوم دیوبند کے تحقیقی ادارے ندوۃ المصنفین کے رفیق مولانا بدر عالم مدنیؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''ترجمان السنۃ'' ۴۲۶/۳ میں بھی وہی کچھ فرمایا ہے جو اس شق میں مذکور ہے۔فرماتے ہیں:

''رسول کے فیصلے کے سوا کسی کے فیصلے کو الٰہی فیصلہ اور قضائے الٰہی نہیں کہا جا سکتا اور نہ رسول کے علاوہ کسی اور بشر کا فیصلہ نکتہ چینی سے بالاتر ہو سکتا ہے اور اس لیے رسول کے علاوہ ہر انسان کے فیصلہ پر دل وجان سے راضی ہونا لازم قرار نہیں دیا جا سکتا۔''

اب دستور کے متعلقہ شق کو دیکھیں اور دونوں میں خود ہی موازنہ فرمائیں:

''رسول خدا کے سوا کسی انسان کو معیار حق نہ بنائے، کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے، ہر ایک کو خدا کے بنائے ہوئے اسی معیار کامل پر جانچے اور پرکھے، اور جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجہ میں ہو، اس کو اسی درجہ میں رکھے۔''

انصاف فرمائیں! کیا ان دونوں عبارتوں میں سر مو کوئی جوہری فرق ہے؟

جماعت کے بزرگ کہتے ہیں کہ اس میں یہ بات سرے سے مذکور ہی نہیں کہ صحابہ کرامؓ معیار حق ہیں یا نہیں، بلکہ اس میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ اصل معیار حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔معترضین اس عبارت کا یہ فقرہ صاف نظر انداز کر جاتے ہیں کہ ''جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجہ میں ہو، اس کو اسی درجے میں رکھے''۔یہ فقرہ ان کے اعتراضات کی پوری بنیاد ہی کو منہدم کر دیتا ہے۔

''معیار حق'' اور ''تنقید'' کی تشریح مولانا مودودیؒ نے بعض سوالات کا جواب دیتے ہوئے یوں کی ہے:

''ہمارے نزدیک معیار حق سے مراد وہ چیز ہے جس سے مطابقت رکھنا حق ہو اور جس کے خلاف ہونا باطل ہو۔اس لحاظ سے معیار حق صرف خدا کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔صحابہ کرامؓ معیار حق نہیں ہیں، بلکہ کتاب وسنت کے معیار پر پورے اترتے ہیں۔کتاب وسنت کے معیار پر جانچ کر ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ گروہ برحق ہے۔ان کے اجماع کو ہم اسی بنا پر حجت مانتے ہیں کہ ان کا کتاب وسنت کی ادنیٰ سی خلاف ورزی پر بھی متفق ہو جانا ہمارے نزدیک ممکن نہیں ہے''۔(ترجمان القرآن، جلد ۵۶، عدد ۵)

''تنقید کے معنی عیب چینی ایک جاہل آدمی تو سمجھ سکتا ہے مگر کسی صاحب علم سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اس لفظ کا یہ مفہوم سمجھے گا۔تنقید کے معنی جانچنے اور پرکھنے کے ہیں اور خود دستور کی مذکورہ بالا عبارت میں اس معنی کی تصریح بھی کر دی گئی ہے۔'' (رسالہ ''کیا جماعت اسلامی حق پر ہے؟'')

ان تشریحات اور حقائق کی روشنی میں جناب سے بے لاگ عدل وانصاف پر مبنی محاکمہ کی درخواست ہے۔عجلت

میں لکھی گئی اس بے ربط تحریر کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

ڈاکٹر عبدالحی ابڑو

اسلام آباد

(۵)

ہفت روزہ وزارت لاہور کی مورخہ ۸/ جولائی ۲۰۰۹ء کی اشاعت میں شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا زاہد الراشدی مدظلہ کا مضمون بعنوان ''اکابر علماء دیوبند کی خدمت میں ایک خصوصی عرض داشت'' شائع ہوا ہے جس میں حضرت نے اس وقت ملکی صورت حال کے اسباب پر اکابر علماء دیوبند کو توجہ دلائی ہے۔ ملکی حالات اس وقت واقعتاً انتہائی پریشان کن اور خطرناک ہونے کی بنا پر جید اکابر علما سے خصوصی توجہ کے طالب ہیں۔ حضرت نے اپنی تحریر میں بنیادی طور پر دو باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے:

۱۔ افغان جہاد سے واپسی پر مجاہدین کو مصروف رکھنے میں سستی کا مظاہرہ اور اس کے نتیجے میں موجودہ مسلح یورشیں۔

۲۔ بہاولپور میں دیوبند سے تعلق رکھنے والی جہادی تحریک کی طرف سے بریلوی مکتب فکر کو ہونے والی شکایت۔

حضرت شیخ الحدیث کے بیان کردہ اسباب سے اختلاف کرتے ہوئے بوجوہ ڈر بھی لگتا ہے کہ ایک طالب علم کی معلومات اور تجزیے کی ان کے افکار کے سامنے کیا حیثیت ہے، لیکن حضرت کے مزاج وسوچ (کہ خلوص نیت پر مبنی اختلافات ایک زندہ معاشرہ کی پہچان ہے) سے جرات پا کر چند سطور حوالہ قلم کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

حضرت اقدس کا یہ فرمانا کہ افغان جہاد میں شرکت کر کے واپس آنے والے ہزاروں مجاہدین کو مصروف نہیں رکھا گیا اور اس حوالے سے دینی رہنماؤں نے اپنی ذمہ داری کو پورا نہیں کیا، یہ بات قبائل میں موجود بعض لوگوں کے حوالے سے حضرت کی معلومات کے مطابق شاید درست ہو، لیکن بالکلیہ تمام مجاہدین کے بارے میں یہ سطور محل نظر ہیں، اس لیے کہ افغان جہاد سے واپسی پر ان نظموں کے ذمہ داران نے اپنے کارکنوں کو ذہنی وفکری تربیت کی طرف متوجہ رکھا ہے اور ان نظموں کے مجلّات، رسائل، دروس، کانفرنسیں اس پر شاہد ہیں اور معاشرے میں موجود لوگوں کو عملی جہاد تربیت ان کا ہدف رہا ہے۔ دیگر مفید اصلاحی سلسلے ان کی مہمات کا حصہ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ عصری ودینی علوم کے ادارے قائم کرنے میں ان میں باقاعدہ مسابقت کا ماحول رہا ہے۔ معاملات کا بگاڑ تب آیا جب حکومت نے راتوں رات بیرونی اشاروں پر بلکہ بیرونی حکم پر ان محبّ وطن ہزاروں مجاہدین کو مشکوک بلکہ دہشت گرد اور وطن دشمن قرار دے دیا اور بغیر کسی پیشگی اطلاع کے سابقہ وابستگیوں کو بنیاد بنا کر گرفتاری ونظر بندی کا سلسلہ شروع کیا گیا۔

اس موقع پر ان نظموں کے ذمہ داران کی طرف سے حکومت کو اچھی اور مثبت پیش کش بھی ہوئی کہ آپ ان تنظیموں پر مکمل پابندی نہ لگائیں بلکہ ان کو سوشل ورک اور مفاد عامہ کے کاموں میں شریک رہنے کی اجازت دیں، ورنہ یہ ہزاروں تربیت یافتہ افراد (جو اس وقت اپنے نظموں میں ڈسپلن اور قواعد وضوابط کی پابندی کے ساتھ مصروف تھے) مرکزی چھتری سے محروم ہونے کی بنا پر حکومت کے لیے مسائل پیدا کریں گے۔ اس بات کی تفصیل کے لیے روزنامہ اسلام کے غالباً ۲۰۰۲ء کے مضامین ''کالی آندھی اور اس سے بچنے کا طریقہ'' درویش کے قلم سے ہے، اس کو ضرور ملاحظہ فرمائیے گا۔ لیکن اس مثبت اور معقول پیش کش کے جواب میں وہ کچھ ہوا جو ہمارے ہاں کی روایت ہے کہ طاقت کا نشہ اور اقتدار کی مدہوشی معاملات کے

سمجھنے میں سب سے بڑی رکاوٹ بنتی ہے۔ چنانچہ وہی ہوا جس کا خدشہ تھا کہ حکومت نے ان نظموں کی قیادت کو گرفتار اور نظر بند کر دیا اور کسی کو مخصوص طریقے سے بدنام کرنے کی کوششیں کی گئی جس کے نتیجے میں ان نظموں سے وابستہ افراد نے مرکزی قیادت (جنہوں نے حقیقتاً ان نوجوانوں کو شریعت کی حدود اور قانون کی دائرے میں پابند کیا ہوا تھا) سے کٹ آف ہو کر اپنی اپنی سوچ اور ترجیحات کے مطابق شریعت اور قانون کی حدود کی پروا کیے بغیر اقدامات شروع کر دیے جسے انہوں نے جہاد کا نام دیا۔ اس کے بعد ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان نظموں کی قیادت کی سنجیدہ اور مثبت پیش کش کو مان کر درمیانی راہ نکال لی جاتی، لیکن حکومت نے کریک ڈاؤن، سرچ آپریشن وغیرہ کے خطرناک اور غیر ضروری راستے اپنائے۔ اس کے علاوہ مختلف اقدامات مثلاً متعدد مدارس پر چھاپے اور لال مسجد آپریشن وغیرہ نے ایسے افراد کو تقویت پہنچائی جو حکومت کو امریکی پٹھو قرار دے کر مسلح ہوئے تھے۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حالیہ یورش کا سبب حکومت کے غلط اقدامات اور بالخصوص ان قانون کی پابندی کرنے والے نظموں پر پابندی عائد کرنا ہے۔

دوسری بات جس کی طرف حضرت مدظلہ نے ماہنامہ ضیائے حرم کے مضمون (شائع شدہ جون ۲۰۰۹ء) کے حوالہ سے توجہ دلائی ہے، یہ ہے کہ بہاولپور میں دیوبندی مکتبہ فکر کی جہادی تنظیم کی طرف سے ایسے اقدامات کیے جا رہے ہیں جس سے بریلوی مکتبہ فکر کو شکایات ہیں کہ بہاولپور کے پورے علاقے کو ایک کالعدم تنظیم نے دہشت زدہ کر رکھا ہے، اس نے اپنے ہیڈ کوارٹر کے سامنے لوگوں کی زندگی اجیرن بنا رکھی ہے اور قبضہ کرنے کے لیے یا قبضہ چھڑانے کے لیے ان کے کرائے کے بدمعاش ہر وقت تیار رہتے ہیں۔

حضرت کے اس مضمون پر توجہ دلانے کے متعلق عرض ہے کہ یہ ایک فریق کی طرف سے الزامات ہیں۔ واقعتاً اکابر علماء دیوبند کو ایک وفد کی شکل میں سرکاری وسیاسی ذمہ داروں اور صحافیوں کو ساتھ لے کر بہاولپور شہر کا دورہ کرنا چاہیے۔ اگر اس کالعدم تنظیم پر لگائے گئے الزامات واقعی درست ہوں تو مدمقابل فریق کو اس کے جائز حقوق نہ صرف لے کر دیے جائیں بلکہ اپنے مسلک سے متعلق اس تنظیم کے ارکان کی فہمائش واصلاح کا راستہ بھی نکالنا چاہیے۔ اور اگر یہ الزامات بھی دیگر الزامات کی طرح عالمی پروپیگنڈے کا حصہ ہوں اور مقصد تنظیم کے نام پر جہاد کو کمزور کرنا ہو تو پھر اکابر علما کو اس تنظیم کے (جس نے اپنے اراکین اور ذمہ داران بلکہ سرپرستوں تک کے جنازے اٹھا کر بھی کبھی وطن عزیز میں احتجاج کے نام پر اپنوں پر چند گھنٹوں کے لیے تنگی کو بھی برداشت نہ کیا ہو اور وطن عزیز میں شریعت کی حدود کو پامال کر کے مسلح جدوجہد سے انکار کا صلہ جس کو اپنوں کی بے وفائی، جماعت کی تقسیم، کراچی سے پشاور تک بدنام کرنے کی سپیشل مہمات وغیرہ کی صورت میں ملا ہو اور پھر بھی وہ تمام تر عسکری وزن کفار کے مقابلے میں ڈالے ہوئے ہوں تو پھر ان) نوجوانوں کو شاباش دینا اور ان کی معاونت وسرپرستی پہلے سے بڑھ کر کرنا چاہیے تاکہ شریعت وقانون کی حدود کی پابندی کرنے والے نظموں کے افراد کی حوصلہ افزائی ہو۔

عبدالمالک طاہر
جامعہ فاروقیہ، شیخوپورہ

(۶)

'الشریعہ' کے اپریل کے شمارے میں ڈاکٹر غطریف ندوی صاحب نے ایک مضمون بنام ''سید ابوالحسن علی ندوی: فکری امتیازات وخصائص'' لکھا ہے۔ اس مضمون میں ڈاکٹر صاحب نے کچھ نئے انکشافات کیے ہیں جو انتہائی تعصب اور غیر ذمہ

داری پرمبنی ہیں۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے اپنے مضمون میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی تحریک سے متاثر ہونا بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اور کہا جا سکتا ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد وہ اسی تحریک کو مثالی اور آئیڈیل تصور کرتے تھے''۔ مولانا علی میاںؒ نے اپنی کتاب ''تاریخ دعوت وعزیمت'' میں جس طرح علما و بزرگانِ سلف کا تذکرہ کیا ہے، اُس سے یہ غلو دَر غلو ثابت نہیں ہوتا جو ڈاکٹر صاحب تحریر کر رہے ہیں کہ مولانا علی میاںؒ صحابہؓ کے بعد تحریک شہیدین کو آئیڈیل تصور کرتے تھے۔ شہیدین سے پہلے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، حافظ ابن قیمؒ، مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہؒ جیسی عظیم عبقری شخصیات کا تذکرہ بھی مولانا علی میاں نے شاندار الفاظ میں تحریر کیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے بستی نظام الدین سے اُٹھنے والی ''تحریکِ ایمان'' کے بارے میں لکھا ہے کہ ''بستی نظام الدین کے مرکز تبلیغ کی طرف اُن کے قدم تبلیغی تحریک کے وسیع تناظر کو دیکھتے ہوئے ہی اُٹھے تھے جو افسوس کہ بانی تبلیغ، مصلح اُمت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے ذہن میں ہی رہا اور اُن کی وفات پر اُن کے ساتھ ہی رخصت ہو گیا''۔

ڈاکٹر صاحب نے اس انکشاف کی کوئی دلیل نہیں دی۔ جن لوگوں نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی زندگی میں اُن کی زیارت کی اور اُن کے ساتھ دعوت کی محنت میں حصّہ لیا، اُنہوں نے تو کبھی اُس ''وسیع تناظر'' کے بارے میں ایسا انکشاف نہیں کیا جو ڈاکٹر صاحب کر رہے ہیں۔ سب سے بڑی مثال خود حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ہے جنہیں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو قریب سے دیکھنے اور اُن کا ترجمان بننے کا موقع ملا اور اُن کی وفات سے اپنی وفات تک اِس تحریک کی مسلسل سرپرستی کرتے رہے۔ اگر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی زندگی پر غور کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ مولانا علی میاںؒ کی تبلیغی تحریک کے ساتھ زیادہ وابستگی حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کے زمانے میں رہی ہے۔ مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ نے مولانا علی میاںؒ کی عربی ادب میں مہارت کو تبلیغی کام کے لیے خصوصاً حجاز میں متعارف کروانے کا ذریعہ بنایا تھا۔ مولانا علی میاںؒ نے حجاز میں تبلیغی کام متعارف کروانے کا حق ادا کیا تھا۔ کون نہیں جانتا کہ بھوپال کے سالانہ اجتماع میں مولانا علی میاںؒ کا خصوصی خطاب ہوتا رہا ہے اور تبلیغی تحریک کے اکابرین ہمیشہ مولانا علی میاںؒ سے مشورے کرتے رہے اور مولانا علی میاںؒ نے کھل کر سرپرستی کی تھی۔ شاید ڈاکٹر صاحب نے مولانا علی میاںؒ کی لکھی ہوئی کتاب ''مولانا محمد الیاسؒ اور اُن کی دینی دعوت'' کا بغور مطالعہ نہیں کیا۔ کیا ڈاکٹر صاحب اُس کتاب میں کوئی ایسی عبارت یا دلیل بتا سکتے ہیں جس میں اُنہوں نے کوئی ایسی بات تحریر کی ہو؟

ڈاکٹر صاحب نے مولانا علی میاںؒ کو داعی و مفکر، روحانی قائد اور مرشدِ اُمت لکھا ہے اور بعض لوگوں کی بے اعتدالیوں پر مولانا علی میاںؒ کی زوردار گرفت کا تذکرہ کیا ہے۔ جب مولانا علی میاںؒ دین کے معاملے میں اُن لوگوں کی گرفت کرتے رہے جن کے ساتھ اُن کی وابستگی رہی تو سوال یہ ہے کہ ۱۹۴۴ء میں مولانا الیاس صاحبؒ کی وفات کے بعد تحریک کی ''بے اعتدالیوں پر'' ''مرشدِ اُمت'' کیوں خاموش رہے اور جس ''وسیع تناظر'' کا انکشاف ڈاکٹر صاحب کر رہے ہیں، اُس کے بارے میں اُمت کو کیوں نہیں بتایا؟

ڈاکٹر صاحب مولانا علی میاںؒ کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ ''اُنھوں نے تصوف کو بدعات وخرافات اور عجمی اثرات سے پاک کرنے کی دعوت دی اور کتاب وسنت پر مبنی تصوف (احسان) کو روحِ دین سے کبھی متصادم نہیں سمجھا، بلکہ اگر دیکھا

جائے تو صحیح معنی میں اُنھوں نے ہی برصغیر میں پہلی بار علم تزکیہ (تصوف) کی تجدید کی اور بدعات وشرکیہ اعمال سے اس کی تطہیر کی بنا رکھی''۔

جو اہلِ علم، اہل تصوف کی تاریخ کے بارے میں جانتے ہیں، اُن پر یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ مولانا علی میاںؒ تصوف کی تطہیر کرنے والے پہلے شخص نہیں ہیں بلکہ اُن سے پہلے ہر زمانے میں ہزاروں لوگوں کو اللہ ربّ العزت اُٹھاتا رہا ہے جن کی زبردست دینی واصلاحی خدمات ہیں۔ خود ڈاکٹر صاحب نے مولانا علی میاںؒ کی کتاب ''تاریخ دعوت وعزیمت'' کا حوالہ دیا ہے۔ کیا جن عظیم شخصیات کا تذکرہ مولانا علی میاںؒ نے اپنی اِس کتاب میں کیا ہے، اُنہوں نے تصوف سے بدعات وخرافات کی تطہیر نہیں کی؟

خود ڈاکٹر صاحب اپنے مضمون کے حاشیہ نمبر ۴ میں لکھتے ہیں کہ ''بلاشبہ محقق صوفیا اِن غالی خیالات کی تردید کرتے رہے''۔

ڈاکٹر صاحب نے اہل تصوف کے طبقات وسلاسل کے بارے میں اپنے مضمون کے حاشیہ نمبر ۴ میں تحریر کیا ہے کہ ''وحدت الوجود کے فلسفہ نے توحید وشرک کے مابین سارے فاصلے ہی ختم کر دیے''۔ کاش ڈاکٹر صاحب نے ''تاریخ دعوت وعزیمت'' کی جلد نمبر ۲ کا مقدمہ ہی بغور مطالعہ کیا ہوتا تو شرک کا یہ فتویٰ اِن کے قلم سے صادر نہ ہوتا۔ مولانا علی میاںؒ، ''تاریخ دعوت وعزیمت'' کی جلد نمبر ۲ کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں: ''اِس دوسری جلد کی اشاعت کے موقع پر اس حسرت اور دلی قلق ہے کہ فاضلِ گرامی مولانا سید مناظر گیلانیؒ اور مولانا حلیم عطا موجود نہیں ہیں جو اِس سلسلہ کے سب سے بڑے قدرداں اور موید تھے۔ پہلی جلد شائع ہوئی تو سب سے زیادہ مسرت کا اظہار مولانا گیلانی نے فرمایا، کتاب کا لفظ لفظ ذوق و شوق سے پڑھا اور بڑے جوش وتاثر کا خط لکھا۔ مرحوم اگرچہ (ہمارے علم میں) شیخ اکبر کے علوم کے ہندستان میں بہت بڑے عارف وعامل تھے''۔

ڈاکٹر صاحب یقیناً جانتے ہوں گے کہ محی الدین ابن عربیؒ اُن بڑے لوگوں میں سے ہیں جو وحدت الوجود کا نظریہ رکھتے تھے۔ اِس کے علاوہ جنید بغدادیؒ، علامہ شبلیؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، شیخ ابوسعید مخزومیؒ، جلال الدین رومیؒ، ملا جامیؒ، شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ، شاہ ولی اللہؒ، شاہ عبدالعزیز، سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، یہ تمام اکابرین وحدت الوجود کا نظریہ رکھتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے فتوائے شرک کی زد میں یہ سارے بزرگ آ رہے ہیں۔ کیا ڈاکٹر صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اِن تمام بزرگوں نے توحید وشرک کے مابین سارے فاصلے ہی ختم کر دیے تھے؟ کیا ڈاکٹر صاحب اِن تمام بزرگوں سے زیادہ بڑے موحد ہیں؟

ڈاکٹر صاحب نے اپنے مضمون کے حاشیہ نمبر ۴ میں تحریر کیا ہے کہ ''دورِ جدید میں تصوف کے زیرِ اثر حلقوں میں ایک اور فلسفہ نمودار ہوا جس کی ترجمانی برصغیر میں تبلیغی جماعت کا پیٹرن کرتا ہے''۔

اِنتہائی حیرت ہے کہ ڈاکٹر صاحب تبلیغی تحریک کی (Nature) کو ہی نہیں سمجھے۔ یہ بات انتہائی غلطی پر مبنی ہے کہ تبلیغی تحریک تصوف سے (Derive) ہونے والی کوئی محنت ہے۔ شاید ڈاکٹر صاحب کو یہ غلط فہمی اِس وجہ سے ہوئی کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خادم رہے ہیں اور انھوں نے ان سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کیا اور بعد میں صاحبِ بذل المجہود حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے ساتھ بھی اپنا اصلاحی تعلق قائم رکھا۔ تبلیغی محنت میں دوسروں کے پاس چل کر جانا پڑتا ہے اور لوگوں کے تمسخر، گالیوں اور مار پیٹ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تصوف کی محنت کہتی ہے